رسالۂ جامعہ

جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی نے گرانمایہ تعلیمی و تعمیری خدمات کے ساتھ ساتھ ٹھوس اور یادگار ادبی اور لٹریری کارنامے بھی انجام دیے ہیں۔ شروع میں یہ رسالہ ڈاکٹر عابد حسین اور مولانا اسلم جیراجپوری کی مشترک ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ علمی رسائل کی صف میں اس نے نہایت نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔

پھر ۱۹۴۷ء کے آشوب ہند کے سلسلے میں جامعہ کو بھی آگ اور خون کے سیلاب سے گزرنا پڑا۔ اس کا مکتبہ لٹ گیا۔ نادر اور نایاب کتابیں نذر آتش ہوگئیں۔ تعلیمی اور علمی سرمایہ ضائع ہوگیا۔ لیکن اس کے پائے ثبات میں جنبش نہ آئی کیونکہ اس کے اربابِ کار زندگی کی تمنا سے بے نیاز اور موت کے اندیشے سے بے پروا اپنے کام میں لگے رہے۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں پر نہ موت آسکتی ہے نہ ایسے ادارے فنا ہوسکتے ہیں۔

ذاکر صاحب کے علی گڑھ تشریف لے جانے کے بعد جامعہ کی ناخدائی، پروفیسر محمد مجیب کے حصے میں آئی۔ انہوں نے جس عزیمت اور استقامت کے ساتھ داخلی اور خارجی طوفانوں اور ریشہ دوانیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے محمد علی اور شیخ الہند کی اس یادگار کو زندہ رکھا، وہ ان کی قوتِ ایمانی، جذبۂ ملی اور حمیتِ قومی کا ایسا شاہکار ہے جس پر آنے والی نسلیں فخر کریں گی۔

اس بارہ تیرہ سال کی مدت میں بڑے بڑے طوفان آئے۔ اور ان طوفانوں کے مقابلے میں بڑے بڑے ہمت ہار گئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسا ادارہ بھی اپنے نام سے "مسلم" کا لفظ نکالنے پر کئی مرتبہ غور کرنے پر مجبور ہوا۔ لیکن الحمد للہ جامعہ آج تک "ملیہ" بھی ہے، اور "اسلامیہ" بھی، "فیض یہ کس کا کرامت کس کی ہے؟ —— جواب میں مجیب صاحب کے سوا اور کس کا نام لیا جا سکتا ہے؟

رسالۂ جامعہ کی تجدید اشاعت بھی مجیب صاحب کا ایک شاندار کارنامہ ہے۔ ابھی اس کے چند نمبر نکلے ہیں۔ لیکن "سالے کہ نکوست از بہارش پیدا" بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ نقشِ ثانی